اُردو نظم کی ایک توانا آواز ۔۔۔۔۔ دانیال طریر

فرح عابد

Abstract:

New Urdu poetry is based on imagery, metaphor and symbols. Danial tareer is a well known Urdu poet who addopted classical thoughts and expressed in a modern way. He narratted the truths of inner self and griefs of mankind with world wide vision. His literary works revealed the complications of death and contradiction of life.

اردو شعر و ادب کے معیاری تخلیقی سرمائے میں دانیال طریر نے بہت کم عمری میں ہی ایک وقیع حصہ شامل کیا ہے۔ جدید اردو نظم میں ہیت اور اسلوب کے جو متنوع تجربات کئے جا رہے ہیں دانیال طریر نے انہیں اپنی شاعری خصوصاً نظموں میں نہایت سلیقے سے برتا ہے۔ انہوں نے تقلید کی روش سے انحراف کر کے اپنا الگ شعری ڈکشن وضع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نئے خیالات، نئے اسالیب اور ہیت کے متنوع تجربات نے ان کی شاعری میں تاثیریت کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ دانیال طریر کی فکری اپج، جدت اظہار اور فنی لوازمات نے ان کی نظموں کو آفاقیت سے قریب کر دیا ہے۔ ان کی شاعری کی انفرادیت یہ ہے کہ احساسات سے عاری دلوں پر اثر کر کے تاثیر کا لوہا منوا لیتی ہے۔ کوئی حساس فرد جو زندگی کے اسرار و رموز سے واقفیت کا تمنائی ہو ان کی شاعری سے یہ بھید پا سکتا ہے ان کی نظموں کے موضوعات میں غیر معمولی جدت پائی جاتی ہے جو عصری صورتحال سے ہم آہنگ ہو کر فرد کے مسائل کو سامنے لاتی ہے۔

دانیال طریر کی نظمیہ شاعری کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہر نظم میں منفرد تمثالیں، قافیے، تشبیہات، استعارے اور علامتیں ترتیب دیتے ہیں جو ان کی جدت فکر سے ہم آہنگ ہو کر ابلاغ کا موثر ذریعہ بن جاتی ہیں۔ ان کے موضوعات بھی دیگر نظم نگاروں کی نسبت انفرادیت لئے ہوئے ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم دانیال طریر کی نظموں کے موضوعات کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"دانیال طریر کی نظموں میں مضامین کی کثرت اور بیش تر موضوعات پر عصری طرز حسیت کی چھاپ خاصی نمایاں ہے، وہ آج کا غم مشترک اپنے شعور کے زور استدلال سے اپنے لہجے میں بیان کرتا ہے۔" (۱)

نظم گوئی آسان ہدف نہیں۔ دانیال طریر اپنی اکثر نظموں میں الفاظ، حروف اور نظم گوئی کی پیچیدگیوں کو زیر بحث لاتے ہیں۔ وہ صنف نظم کے ساتھ ایک انوکھا رشتہ استوار کرنا چاہتے ہیں۔ فن نظم گوئی کے فکری مباحث پر ان کی نظمیں ان کے وسعت گیر ذہن کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان نظموں میں پینترہ باز، رموز اوقاف کی نظم، نظم بازی کے گر اور نظم گو کے لئے مشورہ شامل ہیں۔ "نظم گو کے لئے مشورہ" کے چند مصرعے دیکھیے:

نظم کہو گے
کہہ لو گے کیا؟
دیکھو اتنا سہل نہیں ہے
بنتی بات بگڑ جاتی ہے
اکثر نظم اکڑ جاتی ہے۔ (۲)

نظم "پینترہ باز" میں جہاں خوبصورت امیجز سامنے آتے ہیں وہیں اس پنپتے ہوئے رجحان پر تنقید کی گئی ہے کہ موجودہ دور کے شاعر بغیر کسی فکری مباحث کے کسی بھی موضوع پر نظم لکھ دیتے ہیں۔ انہیں الفاظ کی حرمت کا پاس ہے نہ ہی نظم نگاری کے لئے مطلوب سچائی اور معاشرتی حقائق ان کے لئے لازمی امر ہیں۔ پوری نظم میں ترغیب دینے والا انداز اختیار کیا ہے۔ نظم میں درحقیقت ان شاعروں پر تنقید کی گئی ہے جو اپنے فرائض سے غفلت برتتے ہوئے دنیاوی اور مالی فوائد کی غرض سے اپنا قلم گروی رکھ دیتے ہیں:

کھیل
تیرے پاس تو الفاظ ہیں
تو جانتا ہے
حرف سے حرفوں کا میل
بیلنے پر رکھ تخیل کے
نئی اک نظم بیل
جوڑ مصرعے
کھینچ ریل
اور پھر گھماتا جا اسے من چاہے رستوں پر
نہیں مت ڈر
کہ لفظوں پر کوئی بندش نہیں ہوتی

نہیں ہوتی کسی کو جیل
وہ دن جا چکے
جب حرف کی حرمت بھی ہوتی تھی
نئی ہر نظم کی وقعت بھی ہوتی تھی
کوئی سچائی بھی اور اس میں کڑ واہٹ بھی ہوتی تھی
مٹھائی بانٹ
یہ کنکر اٹھا
اور تان دے اپنی غلیل
کھیل
تیرے پاس تو الفاظ ہیں۔۔۔۔(۳)

دانیال طریر معاشرے میں موجود دن بدن گرتی ہوئی اخلاقی اقدار اور زوال انسانیت کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔انسان منافقت کا منبع بن چکا ہے ظاہر و باطن میں تضاد نے انسان کو دوہرے معیار زندگی کی طرف دھکیل دیا ہے۔دانیال طریر انسان کی پستی اور گھٹیا پن کے متعلق اپنی نظم معزز مرحومین میں لکھتا ہے۔

بول رے چندا
بول رے چندا
ہم ہیں کس پتھر پر کندا
چاہتا ہے کیوں قابض ہونا
لاشوں کے انبار پہ بندا
اپنی روح کو چھیل رہا ہے
پیڑ کو جیسے چھیلے رندا
عشق، محبت، خواب، عبادت
دھندا، دھندا، دھندا، دھندا
انساں کیسے ہوسکتا ہے
اتنا گھٹیا تا گندا
کیسے زمانے میں زندہ ہیں
ہر لمحہ ہے گلے کا پھندا۔۔ (۴)

دانیال طریر اپنے تخیل سے کام لے کر عہد حاضر کے مشترکہ مسائل پر استدلالی انداز میں روشنی ڈالتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی تمام نظموں میں تخلیقی رچاؤ ہمیں اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔وہ اس بھید بھری کائنات اور اس کے

اندر موجود فکری و وجودی مسائل کے متعلق سوال اٹھاتے ہیں اور ان سوالات کے ذریعے فرد کی پہچان کا مسئلہ اٹھاتے ہیں نظم "میں نفی میں" میں لکھتے ہیں:

نہیں میں نہیں ہوں
کسی دوسرے نے مجھے میں کہا ہے
تو میں ہو گیا ہوں ۔۔ (۵)

موت کم و بیش تمام شاعروں کے ہاں موضوع سخن رہی ہے لیکن موت کی آہٹ جس طرح دانیال طریر کی نظموں کے مجموعی ماحول پر چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے خال خال ہی کہیں اور دکھائی دیتی ہوگی۔ اپنی موت سے دو سال پہلے سے ہی وہ موت کو نہایت قریب سے محسوس کر رہے تھے۔ امجد اسلام امجد دانیال طریر کی وفات کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"موت کا احساس یوں تو ہر قابل ذکر شاعر کی شاعری میں کم یا زیادہ اپنی جھلک ضرور دکھاتا ہے لیکن اگر اس احساس میں جسم کے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ کوئی واضح اور عملی شکل اختیار کر لے جیسا کہ بالخصوص دانیال طریر کے ساتھ ہوا کہ اس کے آخری چند برس ایک خطرناک بیماری کینسر کی زد میں گزرے جس کا سایہ خواہ مخواہ ہی اس کے شعور اور لاشعور دونوں پر پڑتا تھا۔" (۶)

دانیال طریر اس بات کا شعور رکھتے تھے کہ موت ہر انسان کا مقدر ہے موت کو اپنے دروازے پر کھڑا دیکھ کر بھی وہ دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ نہایت بے خوفی اور جرأت کے ساتھ شاعری کو کتھارسس کا ذریعہ بناتے ہیں موت کی چاپ سن کر وہ جن صداقتوں سے پردہ اٹھاتے ہیں وہ زندگی کا اصل مفہوم سمجھانے میں بے حد معاون ہیں۔ "خدا میری نظم کیوں پڑھے گا" کا اختتام ہی موت پر ہوتا ہے:

میں مر جاؤں گا
بالکل اسی طرح
جیسے میرے ابو مر گئے ہیں
جینا اگر اتنا آسان ہوتا
تو میں عمر بھر جیتا
اور اتنی نظمیں لکھتا
کہ دنیا لفظوں سے بھر جاتی۔ (۷)

نظم "برائے فروخت" کے چند مصرعے دیکھیے:

روح چاہیے تم کو
یا بدن خریدو گے

موت سب سے سستی ہے (۸)

دانیال طریر کی شاعری میں ان کی زندگی کے حسین تجربات احساسات اور خوابوں کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے جہاں وہ موت تنہائی اور معاشرتی بے حسی کا ذکر کرتے ہیں وہیں ان کی کچھ نظموں میں لطیف جذبات کی معنی خیزی بھی دکھائی دیتی ہے۔ رنگ اور خوشبو سے محبت ان کی نظموں میں خال خال ہی دکھائی دیتی ہے لیکن یہ محبت ان کے دکھی دل کی فریاد بھی ہے اور تمنا بھی۔ نظم نا ممکنہ رسائی میں نازک اور لطیف احساسات زندگی سے ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

اک پری ہے گھاس پر لیٹی ہوئی
اور دھند میں سوئی ہوئی
اور میں اس کی سمندر جیسی گہری گہری آنکھوں کے
کسی سپنے میں ہونا چاہتا ہوں
رات بھر شبنم میں رونا
گھاس کی نرمی میں بونا چاہتا ہوں
سانس اپنی
اس کی پلکیں اپنی آنکھوں میں ڈبونا چاہتا ہوں
میں بھی سونا چاہتا ہوں
نیند اس کی
خواب اس کا
میں بھی ہونا چاہتا ہوں (۹)

موت کی دستک اپنے دل پر محسوس کرتے ہوئے دانیال طریر تنہائی کو اپنا رفیق بنا لیتے ہیں تنہائی کی سرگوشیوں میں جب جب وہ زمین و آسمان سے جدا ہو جاتے ہیں تو اپنے والدین اپنی گڑیا اور اپنے بچوں کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ یہی وہ لمحات ہوتے ہیں جب وہ ان پیاری ہستیوں کے احسانات کا اعتراف کرتے ہیں:

جب میں تنہا ہو جاتا ہوں
جب خود سے، جہان سے
زمین سے، آسمان سے جدا ہو جاتا ہوں
جب میں خلا ہو جاتا ہوں
تو ابو سے باتیں کرتا ہوں
وہ باتیں، جو مجھے رنگوں اور نئی نظموں
سے بھر دیتی ہیں -- (۱۰)

دانیال طریر اپنی نظموں کا خمیر تمثالوں سے اٹھاتے ہیں ان کا ذخیرہ الفاظ، مصرعوں کی بنت اور تمثالیں اپنے اندر انفرادیت لئے ہوئے ہیں خاص طور پر حیواناتی تمثالیں ہمارے معاشرے کی گرتی ہوئی اقدار پر سوالیہ نشان ہیں ان نظموں میں الرجی، چیو جنگل اور شاہ نامہ میں جانوروں اور درندوں کے ذریعے معاشرتی انحطاط کا بیان ملتا ہے۔ستیہ پال آنند دانیال طریر کی استعمال کردہ تمثالوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ نظمیں براہ راست جنگل کی کسی واردات کا ذکر نہیں کرتیں لیکن انہیں پڑھتے ہوئے زور آور اور زیردست کے درمیان ٹکراؤ، گوانتاناموبے، ابو غریب جیل، تورا بورا، اور خود ہماری سرزمین پر جبر کی کارفرمائیاں ہمیں فوری متوجہ کرتی ہیں۔" (۱۱)

ان تمثالوں میں کمزور کو زیردست دکھایا گیا ہے۔ دنیا کا قانون ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ہر طاقتور اپنے سے کمزور کا استحصال کرتا ہے۔ان نظموں میں شاعر نے طاقتور جانوروں کے ذریعے کمزور اور بے بس جانوروں کا استحصالی رویہ دکھایا ہے درحقیقت ان تمثالوں کے پردے میں ہماری دنیا کے محکوم اور مظلوم طبقے کی کیفیات کی عکاسی کی گئی ہے۔نظم چیو جنگل میں دانیال طریر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ دو متضاد افعال رکھنے والے جانوروں کا موازنہ کیا ہے:

سارا امبر چیلوں کا ہے
بھرتی سانپوں کی ہے ساری
خوف کی ماری
بھول گئیں منزل کا رستہ
بھیڑیں ساری
رنگ بدلتے گرگٹ گھومیں
جھومیں ناچیں باری باری (۱۲)

دانیال طریر کی نظمیں مسخ شدہ اور زوال آمادہ تہذیب کا نوحہ معلوم ہوتی ہیں۔خاص طور پر اسطورہ، الرجی، ? dog &،، چیو جنگل، تابوت ساز کا احتجاج، معزز مرحومین، اندھا کباڑی، لفظ ازم، مسخ شدہ ادب نہیں اور نظام زادہ شکست و ریخت کا شکار ہوتی سماجی اقدار کا اشاریہ ہیں۔دانیال طریر کی نظموں کی انفرادیت ان کی مختصر پن میں مضمر ہے۔وہ چند مصرعوں میں اپنا مطمع نظر بخوبی بیان کر دیتے ہیں ان کی بیشتر نظموں میں ایک مرکزی استعارہ ہوتا ہے اور نظم کے داخلی نظام میں امیجز کزی در کزی نظم کی بنت میں حصہ لیتے ہیں۔استعاراتی اعتبار سے ان کی نظم "الرجی" اپنے اندر گہری معنویت لئے ہوئے ہے:

وہ کہتا ہے
اس جانب کچھ کتے بھیجو
سونگھنے والے

بو آئی ہے
آدم زاد کی بو آئی ہے
آدم زاد کی بو سے میرا دم گھٹتا ہے
سانس کی تنگی مجھ کو وحشی کر دیتی ہے
محمد کو اپنے وحشی پن سے ڈر لگتا ہے
جلدی بھیجو، دیر ہوئی تو خونی وحشی
جاگ اٹھے گا
جاگ اٹھا تو جس بستی سے گزرے گا
موت لکھے گا
لومڑیوں سے کہہ دو میرے پاس آجائیں
چیتے کی خوراک گھٹا دو
کہاں گئے ہیں گدھ بلواؤ
آؤ آؤ لومڑیو! اس بو کو سونگھو
اور بتاؤ کیا کرنا ہے؟
میرے محل میں پھولوں کی تعداد بڑھا دو
آکسیجن کے سلنڈر بھر دو
جو کہتا ہوں جلدی کر دو
دیر نہ کرنا دن ڈھلتا ہے
جنگل ایسے کب چلتا ہے۔ (۱۳)

اس نظم میں جنگل بطور استعارہ سامنے آتا ہے لیکن علامتی اعتبار سے یہ استعارہ شہر اور ملک کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں آمریت کا راج ہو آدم زاد علامت ہے فرد واحد یا آمریت پسند بادشاہ کے لئے۔ اس نظم کی تجزیاتی توجیہہ کرتے ہوئے ستیہ پال آنند لکھتے ہیں کہ:

"ایک مانولاگ کی شکل میں یہ نظم بین السطور بہت کچھ کہتی ہے ہر ایک امیج خود کفیل ہے اور اپنے لغوی یا استعاراتی معانی کی مدد سے بنیادی استعارے جنگل کا قانون کو تقویت پہنچاتا ہے کتے، لومڑیاں، گدھ، مردار خور ہیں آمر یا بادشاہ کے یہ صلاح کار جنگل کے راج کی شطرنج میں بنیادی مہروں کا کام دیتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی یہ دیکھ کر "سانس کی تنگی مجھ کو وحشی کر دیتی ہے" کی سیاقی کفالت آٹھ دس سطروں کے بعد یہ سطریں کرتی ہیں، میرے محل میں پھولوں کی تعداد بڑھا دو آکسیجن کے سلنڈر بھر دو، گویا یہ قادر الکلام شاعر نظم کی بنت میں کوئی تا کا بھی نہیں

بھولتا۔۔۔" (۱۴)

خدا میری نظم کیوں پڑھے گا؟ بیانیہ طرز پر لکھی گئی نظم ہے۔فکر اور فن کے اعتبار سے یہ نظم طویل نظموں میں منفرد شناخت رکھتی ہے۔نظم کے منظوم ابتدائیہ میں دانیال طریر میر تقی میر کے لکھنو سے لے کر منیر نیازی کے کھنڈرات تک کے سفر میں اساتذانِ سخن سے اپنی ملاقات کا احوال بیان کرتا ہے نظم میں جگہ جگہ فلسفیانہ اپج سے کام لیا گیا ہے شاعر شجر اور دکھ کا سہارا لے کر درحقیقت اپنی ذات کا تذکیہ نفس کرتا ہے اور بعض جگہوں پر نہایت فکر انگیز پہلو سامنے لاتا ہے۔مثال کے طور پر یہ مصرعے دیکھیے ان میں شاعر خود کو اپنی تخلیق کا شجر قرار دیتا ہوا لکھتا ہے:

جو پتا پتا چہک رہی ہے
یہ نظم میں ہوں
مگر یہ دستور رہا ہے
جو خود اگا ہے وہ خود جھڑے گا
خدا میری نظم کیوں پڑھے گا (۱۵)

اس نظم میں دکھ اور اداسی کی فضا اس نظم کے موضوع سے ہم آہنگ ہو کر نئے فکری زاویے کھولتی ہے۔شاعر کے خیال میں یہ دنیا دکھ ہے۔ماں کی چھاتی سے پیا ہوا شیر دکھ ہے۔صبح دکھ ہے شام دکھ ہے تمام دکھ ہے۔گویا سب کچھ دکھ ہے، ان کی نظموں میں سوال درسوال درحقیقت جاننے کے عمل کا ایک حصہ ہیں۔ان کے سوالات جہاں ہمیں چونکانے کا باعث بنتے ہیں، وہیں ہم بھی ان کے جوابات کے لئے متلاشی نظر آتے ہیں،

میں چیخ اٹھا
پلید کیا ہے، یہ پاک کیا ہے
اچھوت اور چھوت کن کتابوں کے واہمے ہیں
نفاق و مفہوم خاک کیا ہے۔ (۱۶)

اس نظم میں دانیال طریر نے اپنے گردوپیش کے حالات و واقعات اور سماجی زندگی کی ایسی مرقع نگاری کی ہے کہ سپاٹ مناظر بھی تحرک کے زیر اثر آجاتے ہیں انہوں نے راشد اور دیگر شعراء کی معروف نظموں سے مستعار لئے گئے کرداروں کے ذریعے حالات حاضرہ کی جھلک دکھائی ہے:

جو گھر سے نکلے تو روشنی کی تلاش میں تھے
پلٹ کے آئے تو سانس کی لو بجھی ہوئی تھی
یہ بندبوری میں کیا ہے بھائی
جو گھر کی دہلیز پر پڑی ہے
زمین قبروں سے بھر گئی ہے
حسن! تمہارے تمام کوزے لہولہو ہیں

عطا! تمہارے تمام چشموں میں لوتھڑے ہیں۔ (۱۷)

دانیال طریر کی نظموں میں اور خاص طور پر خدا مری نظم کیوں پڑھے گا میں کئی مقامات پر اساطیری حوالے نظر آتے ہیں، وہ ہندیونانی اساطیر کے نایاب استعاروں سے کام لیتے ہوئے اپنی نظموں کی فضا ہموار کرتے ہیں غلام ابن سلطان لکھتے ہیں:

"دانیال طریر نے اپنے اسلوب میں روایات سے ہٹ کر نئی علامات کو ایک نفسیاتی کل کی صورت میں اشعار کی زینت بنا کر لاشعور کی حرکت و حرارت کو متشکل کرنے کے جو تجربے کیے، وہ اس کی انفرادیت کی دلیل ہیں۔ وہ اسطور کی فضا میں جس انوکھے انداز میں اپنے جذبات و احساسات اور تخیل کی جو لانیاں دکھاتا ہے، اسے قدیم روایات اور جدید ترین تصورات کے مابین سنگم کی ایک صورت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔"(۱۸)

"خدا میری نظم کیوں پڑھے گا" کے ۱۲ویں حصے میں اساطیری عناصر کو دیکھا جا سکتا ہے۔

اگن پرکھشا ہے اور جنگل تخن کی سیتا غزل ہے کیول
مگر یہ وہ نازنیں ہے جس کی ہمیشہ پردہ دری ہوئی ہے
مڈر جو سینہ پسر کھڑا ہے جوئیدھ میں ارجن سماں لڑا ہے
اسی کے قدموں پر سر جھکے ہیں اسی کی یاں سروری ہوئی ہے۔۔۔(۱۹)

موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی کا مقابلہ کرنے والے دانیال طریر اس نظم اپنی ذاتی واردات کا احوال لکھتے ہوئے والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کا بیان انتہائی دردناک پیرائے میں کرتے ہیں دکھ اداسی اور کرب کی مجموعی فضا سوگواریت میں بدل جاتی ہے جب وہ خواہش کرتے ہیں کہ وہ ان جیسا بن جائیں:

کہاں گیا وہ
جس نے میری ماں کے چہرے پر پڑتی
شکنوں کے موسم روک رکھے تھے
کہاں گیا وہ
جو میری بہنوں کے سر پر چھت بھی تھا
اور آسمان بھی
کہاں گیا وہ
جس نے میرے بھائی اور میرے کاندھوں کو
ہفت افلاک اٹھا پانے کی قوت دی تھی
میری شادی کس سے ہوئی ہے
اور میرے بچے کیسے ہیں

اس کو کیوں معلوم نہیں ہے
کیسا دکھ ہے جو اپنی نظموں کا سب سے پہلا سامع
چھن جانے سے میرے اندر اگ آیا ہے۔ (۲۰)

دانیال طریر عہد حاضر کے لوگوں میں آدمیت کی فکر کو جھنجھوڑ کر جگانے کی سعی کر رہے ہیں طبقاتی تفریق نے آدمیت کے وقار کی دھجیاں بکھیر دیں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے ۔ دانیال طریر نے ریاست کو مکھیوں کی راج دھانی قرار دیا ہے وہ مکھیاں جو خون چوس لیتی ہیں اور سلطنت کو لال بیگوں کا مسکن دکھایا ہے ۔ لال بیگ جو گند میں رہتے ہیں، زوال آدمیت اس نظم کا خاص موضوع ہے جس کے آثار جگہ جگہ ہمارے معاشرے میں ملتے ہیں:

فرشتے کچرے کے ڈھیر سے چن رہے ہیں روٹی کے صاف ٹکڑے
عجب میلا ہٹوں بھرے ہیں یہ چاند چہرے یہ پھول مکھڑے (۲۱)

نظم کے انیسویں حصے میں مختلف بحور کے استعمال سے دانیال طریر نے متنوع موضوعات کو قلم بند کیا ہے خواب، ماں اور زخم بظاہر مختلف موضوعات ہیں لیکن ان میں درد اور کرب مشترک ہے ۔ نظم کا بیسواں حصہ اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ شاعر موجودہ دور میں ہونے والی دہشت گردی میں مرنے والی معصوم گڑیوں پر بین کرنے والے کی والدین کے جذبات کو حصہ نظم بناتا ہے ۔ وہ بچیاں جن کی گڑیوں سے کھیلنے کی عمر ہوتی ہے ان کو آگ اور خون سے نہلایا جاتا ہے ۔ اس نظم کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ ہر صاحب دل ملکی و سماجی حالات کی ابتری پر کڑھتا رہتا ہے:

ہماری رانی نہیں ملی ہے
نہ جانے کس اسپتال لے کر گئے ہیں اس کو
وہ زخم خوردہ ہے
مر چکی ہے
کہ اس کے اعضا کسی کے ماں باپ لے گئے ہیں
یہ کس کے گھر کی پری ہے دیکھو
جو انگلیوں تک جھلس گئی ہے ۔ (۲۲)

نظم کا اکیسواں حصہ اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ دور حاضر میں نوجوانوں کے مشاغل و عادات پر ان کی گہری نظر تھی وہ سوشل میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور سے وابستہ ہونے کی بنا پر ان کے نقصانات اور فوائد سے بخوبی آگاہ تھے ۔ مضحکہ خیز پیرائے میں لکھی ہوئی طنزیہ مقصد سے وہ معاشرے کو فکر انگیز دعوت دے رہے ہیں نوجوان نسل کی ترجیحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ہر ایک سائٹ پہ پیرا سائیٹ

تمام ٹیوبوں پہ ٹیسٹ ٹیوبوں سے زندگی پانے والی
خلقت!
یہ ویب کیموں پہ اپنے اپنے بدن دکھاتے ہوئے عجوبے
یہ سرچ گوگل پہ پانے افکار ڈھونڈنے والے
علم زادے
یہ پور کے لمس پر تھرکتی مہ ہنہ دنیا
کلون چہرے
یہ سرجری بعد حسبِ منشا تمام اعضا
یہ آختہ آتمائیں ساری (۲۳)

شاعر یہ نظم لکھنے کے بعد مایوسی کا اظہار کرتا ہے کہ مجھے یہ نظم نہیں لکھنی چاہیے تھی کیونکہ نظم کو پڑھے لکھے لوگ ہی پڑھ سکتے ہیں جب کہ اہل زمین کا المیہ ناخواندگی ہے جب کہ فلک پر بھی نظموں کی قرأت کا کوئی معمول نہیں ہے۔اس سے پہلے لکھی جانے والی شاہکار نظمیں خالی کشکول ثابت ہوئیں ان میں پنواڑی، آئینہ خانہ اور خاص طور پر علینہ بھی لوگوں کی توجہ کی منتظر نظر آتی ہے ایسے حالات میں میری نظم پر کون غور کرے گا۔

یہ خودترسی کی کیفیت ہے جس سے شاعر لمحہ بہ لمحہ گزر رہا ہے۔نظم کا اختتامیہ موت پر ہوتا ہے شاعر جانتا ہے کہ اس کے پاس زندگی فقط چند دنوں کی رہ گئی ہے لہٰذا وہ موت کا فراخ دلی سے ذکر کرتا ہے لیکن اس اعلیٰ ظرفی میں بھی کرب اور دکھ کی شدید لہر محسوس کی جاسکتی ہے۔

نظم کی آخری چند سطور ہر صاحبِ دل کو جھنجھوڑ کے رکھ دیتی ہیں:

میں مرجاؤں گا
اور دنیا لفظوں سے نہیں بھر سکوں گا
لیکن جس طرح میں اپنے ابو کا ادھورا کام پورا کر رہا ہوں
بالکل اسی طرح
میرا ادھورا کام میرے طالب علم پورا کریں گے
جو نظمیں میں نہ لکھ سکا میری اولاد لکھے گی
دنیا کو لفظوں سے میری جذبیہ بھرے گی
دنیا کو لفظوں سے میرا جذلان بھرے گا
خدا میری نظم کیوں پڑھے گا۔؟ (۲۴)

دانیال طریر نے اس نظم کے ذریعے گزرے ہوئے اور آنے والے تمام زمانوں کا احوال رقم کیا ہے، وہ اپنی چشمِ تخیل سے تمام زندگی چند دنوں میں دیکھ لینے کے تمنائی ہیں وہ ہر اظہار کر دینا چاہتے ہیں اپنی وصیت بھی جو

انہوں نے اپنے بچوں اور طالب علموں کو کی ہے ۔نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے مشرف عالم ذوقی لکھتے ہیں کہ:

"جب تک اردو زبان زندہ ہے اور دعا ہے کہ زندہ رہے، دانیال کی نظم خدا میری نظم کیوں پڑھے گا، بھی زندہ رہے گی، ماضی کے اثاثہ کو حال اور مستقبل سے کیسے وابستہ کیا جاسکتا ہے، یہ دانیال جانتا تھا وہ خدا جسے اللہ کے نام پر پاکستان سے جلا وطن کر دیا گیا۔" (۲۵)

ان کی نظموں میں نئی شعریات کے زیر اثر، بیتوں کے متنوع تجربات بھی ملتے ہیں، ہائیکو اور قافیہ بند نظم ان کی طرز تخلیقیت کا مظہر ہیں۔"خدا میری نظم کیوں پڑھے گا" میں بھی دانیال طریر نے غزل، معریٰ، آزاد اور نثری نظم کی بیتوں کا مہارت سے استعمال کیا ہے ۔الفاظ کا تلفظ بھی بعض جگہوں پر غلط معلوم ہوتا ہے جو شعوری کاوش کا نتیجہ ہے، انہوں نے دیگر نظموں کے حوالے بھی درج کئے ہیں، انہیں بعض جگہوں پر واوین میں لکھا گیا ہے اور بعض جگہوں پر اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔تاہم یہ نظم ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے۔اور دانیال طریر کی علمی ذکاوت کی مظہر بھی ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ آفتاب اقبال شمیم، ملیپ: معنی فانی از دانیال طریر، کوئٹہ: مہر درانسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء

۲۔ ایضاً، ص ۵۹

۳۔ ایضاً، ص ۹۴

۴۔ ایضاً، ص ۹۳

۵۔ ایضاً، ص ۱۰۱

۶۔ امجد اسلام امجد، دانیال طریر

www.express.pk;story/381331/ 23 July 2016 , 9:15PM

۷۔ دانیال طریر، خدا میری نظم کیوں پڑھے گا، کوئٹہ: مہر درانسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۶

۸۔ دانیال طریر، معنی فانی، ص ۴۸

۹۔ ایضاً، ص ۶۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۱۔ ستیہ پال آنند، وسعت گیر متخیلہ کا شاعر، مشمولہ: معنی فانی از دانیال طریر، ص ۱۲

۱۲۔ دانیال طریر، معنی فانی، ص ۳۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۶۔۳۵

۱۴۔ ستیہ پال آنند، وسعت گیر متخیلہ کا شاعر، مشمولہ: معنی فانی از دانیال طریر، ص ۱۷

۱۵۔ دانیال طریر، خدا میری نظم کیوں پڑھے گا، کوئٹہ: مہر درانسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ، اینڈ پبلی کیشنز، ص ۳۰

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۸

۱۷۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۸۔ غلام ابن سلطان، دانیال طریر، کوئی کہاں سے تمہارا جواب لائے گا

www.hamariweb.com;articles/article.aspd? id=64827 31 July 2016, 7:15PM

۱۹۔ دانیال طریر، خدا میری نظم کیوں پڑھے گا، ص ۶۴

۲۰۔ ایضاً، ص ۷۵

۲۱۔ ایضاً، ص ۸۷

۲۲۔ ایضاً، ص ۹۵

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۰۱۔۱۰۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۱۹

۲۶۔ مشرف عالم ذوقی، دانیال طریر کی موت اردو ادب کا بڑا نقصان ہے،

kashmirrzma.net/full>story.asp? pat = 2-8-20115 item ID = 1 & cat = 9 # v5jodjfurfo - 22-7-16, 9:18